محمود گاواں کی واپسی

رحمٰن آذر

محمود گاواں کی واپسی

ایک ریڈیائی ڈرامہ رحمٰن آذر

"Mahmood Gawan Ki Wapsi"
- A radio drama
By Rahman Azer

• بارِ چہارم: 2015

• قیمت: -/Rs. 40

• مطبوعہ: تاج پرنٹرس بنگلور۔فون:25588779

Published by:

NAYAB PUBLICATIONS
#11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T.Nagar, BANGALORE-560 032
Email: nayab.publications@gmail.com
Phone: 9740319261

ISBN 81-902047-2-4

نایاب پبلیکیشنز نمبر 11، فورتھ کراس
کاویری نگر، آر ٹی نگر، بنگلور 560032
Email: nayab.publications@gmail.com
Phone: 9740319261

انتساب
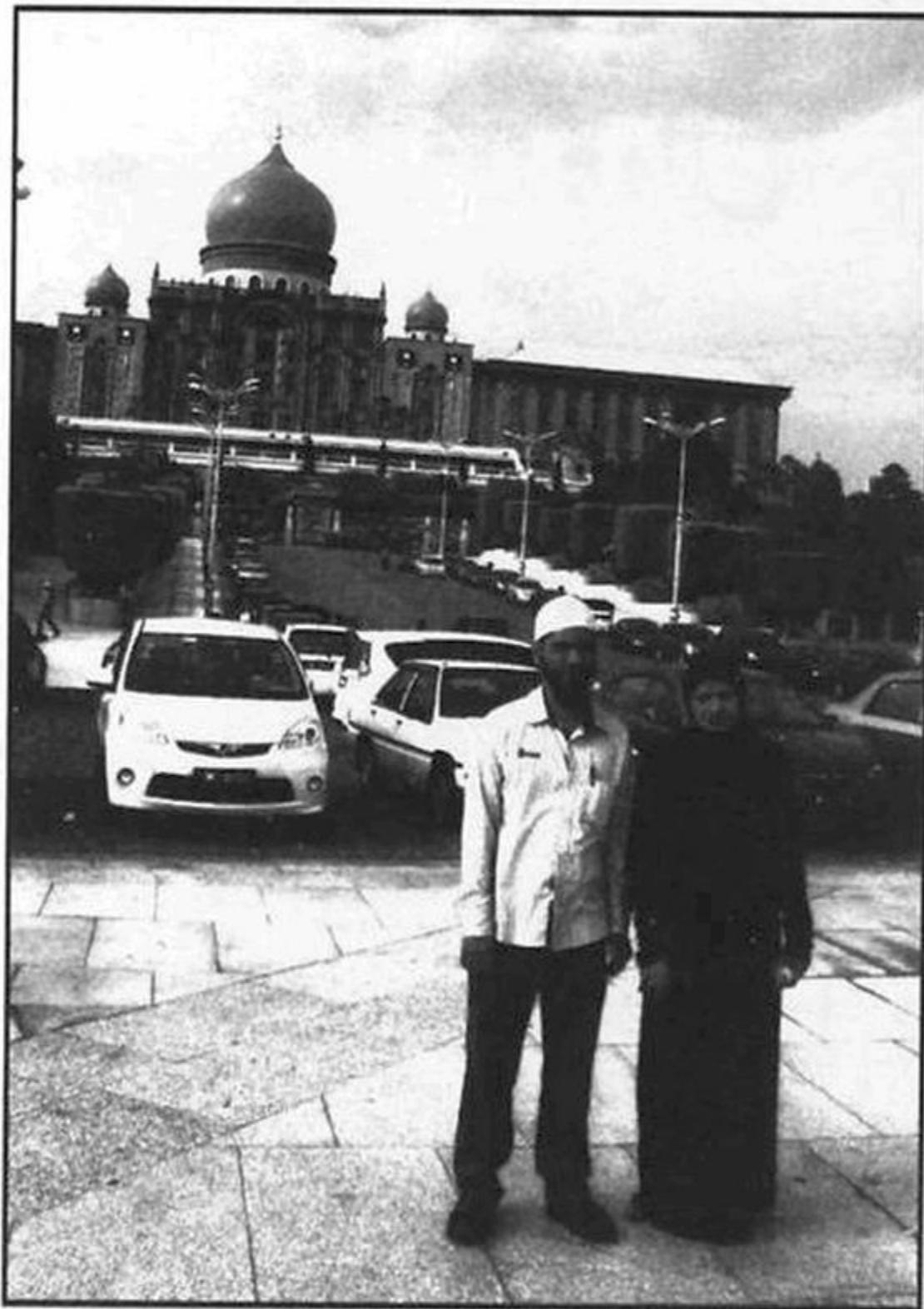
عزیزم ڈاکٹر عِرفان انجم بَدرالدین، یونیورسٹی آف ملایا، ملیشیا (داماد)

اور عِفّت آذر (بیٹی) کے نام

جن کی بے پناہ محبت اور بیحد اصرار پر

پھر ایک بار "محمود گاواں کی واپسی"، ممکن ہو سکی۔

”محمود گاواںؔ
کی
واپسی“

”اس اثر انگیز ریڈیائی فیچر میں انتہائی دلچسپ اور خوبصورت انداز سے شُستہ و سلیس اُردو زبان میں محمد آباد بیدر کی تاریخ کے اُس زرّیں اور اہم تاریخی عہد کا ذکر کیا گیا ہے جو سلطنت بہمنیہ کے عظیم المرتبت وزیر اعظم خواجۂ جہاں خواجہ عماد الدین محمود گاواں کی شخصیت اور کارناموں کی ناقابلِ فراموش اور حسین یادوں کے رُوپ میں تاریخ کے صفحات پر زندہ و تابندہ ہے۔ فاضل مصنف جناب رحمٰن آذر نے مزارِ خواجہ پر ایک صحافی کی حاضری اور عالم خیال میں اُن سے گفتگو اور سیر بیدر کے غنائیہ انداز کو انتہائی موثر اور دلچسپ اسلوب میں پیش کیا ہے۔“

روزنامہ گاواںؔ بیدر

مُصَنِّفؔ.......... مزارِ خواجہ مَحمُود گاواں پر

مدرسۂ محمود گاواں، بیدر
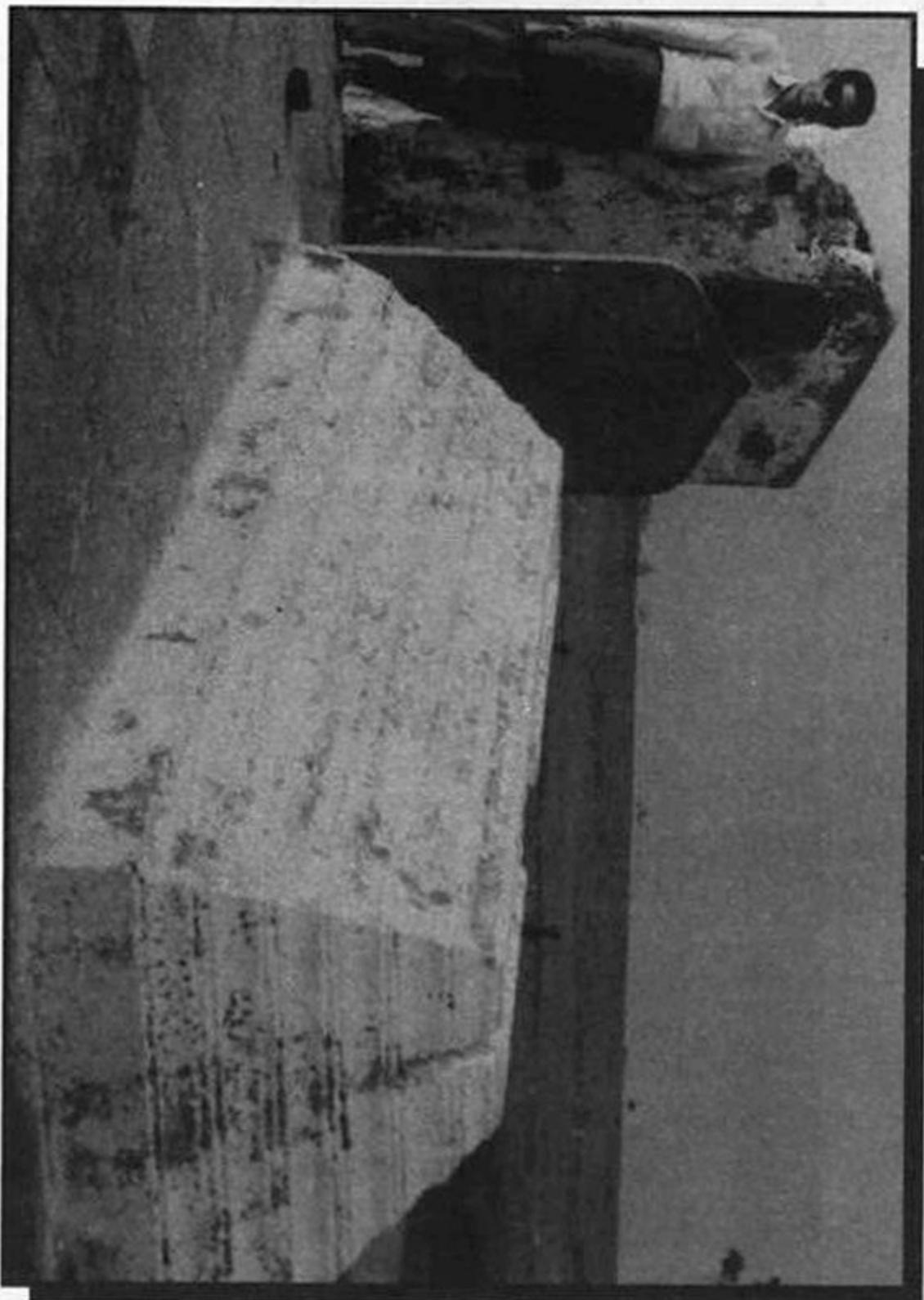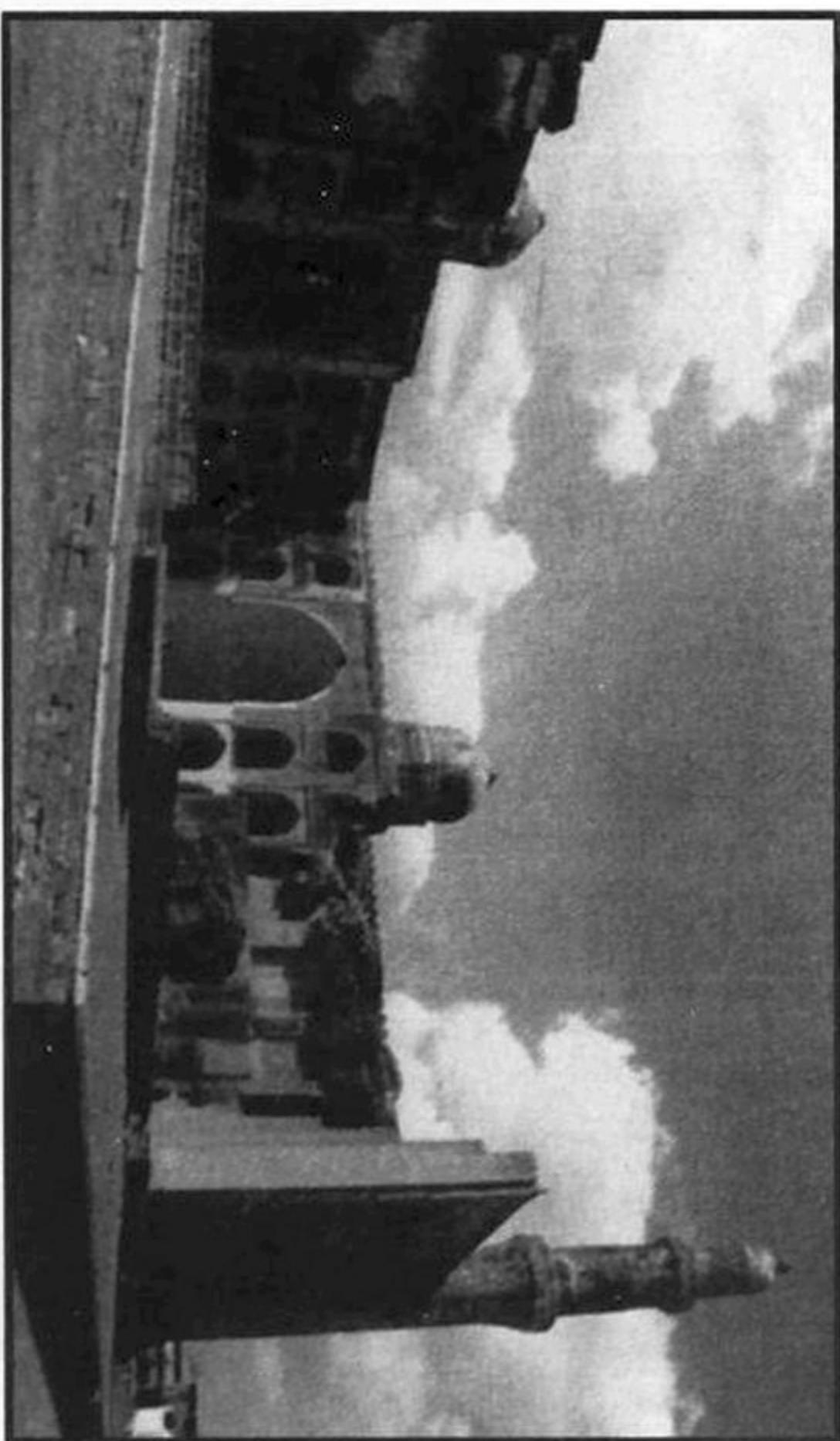
نقوش

زمانۂ طالب علمی سے ہی خاکسار، خواجۂ جہاں محمود گاواں کی شخصیت سے کافی متاثر رہا ہے۔ پندرھویں صدی کے اوائل میں سرزمین دکن پر ایران سے ایک ایسا شخص وارد ہوتا ہے جو نہ صرف صاحبِ سیف وقلم تھا بلکہ اللہ نے اسے دولت سے بھی نوازا تھا۔ پیشہ تجارت تھا لیکن وہ علم وادب کا دیوانہ تھا۔ اتنا ہی نہیں، تاریخ، انشاء پردازی، ریاضی اور طب کے میدان میں اپنے دور میں ایک ممتاز مقام بنالیا تھا۔ مَیں بچپن میں اکثر سوچا کرتا کہ ایسا شخص جو کاروبارِ سلطنت میں سیاہ وسفید کا مالک ہو، ایثار ووفا کا چراغ کیسے جلائے رکھتا ہے، اور اپنی شجاعت وصلاحیت کو محض سلطنتِ بہمنیہ کے استحکام وترقی کے لئے کیوں استعمال کرتا ہے۔ اس نے تین مختلف سلاطین کی 26 سال تک بے لوث خدمت کی۔ وہ علم کا ایسا سورج تھا، جس کی ضیاپاش کرنیں، زندگی کی تاریکی دُور کرتی تھیں۔ وہ علم دوست تھا اور ہر عالم اس کا دوست تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پایہ کا سیاس اور مدبّر بھی تھا اور میدانِ جنگ کا جنرل بھی۔ اس نے اپنی سماجی، زرعی اور فوجی اصلاحات سے بہمنی سلطنت کو دکن کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بنادیا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں ایک روسی سیاح اتھناسیس نکیتن (1470-74ء) بیدر آیا تھا۔ محمود گاواں کی زرعی، فوجداری اور سماجی اصلاحات اور رعایا کی خوشحالی سے کافی متاثر ہوا تھا۔ کہنے کو تو وہ ایک اسلامی سلطنت تھی، لیکن اسی دور میں ہندو دھرم اور جین مت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

سلطان محمد شاہ (1463-82ء) نہایت ہی کم سنی میں تخت نشین ہوتا ہے اور خوش قسمتی سے اس کمسن شاہ کو محمود گاواں جیسا مخلص اور قابل وزیر اعظم ملتا ہے جو اپنے آپ کو ایک جاں باز جنرل اور منتظم بھی ثابت کرتا ہے۔ محمود گاواں نے جہاں رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کئی ایک اصلاحات نافذ کیں وہیں سلطنت کے مناسب انتظام اور کنٹرول کے لئے اس نے تلنگانہ کے علاقہ کو کئی طرفداروں

میں تقسیم کیا۔ یہ بات تلنگانہ کے گورنر ملِک حُسن کو سخت ناگوار گزری اور وہ حسد کا ناگ بَن گیا۔ سلطان محمد شاہ جب شراب کے نشہ میں دھت تھا، اُس وقت وہ سلطان کی خدمت میں ایک جعلی خط پیش کرتا ہے، جس پر محمود گاواں کی جعلی مُہر لگی ہوتی ہے۔ اڑیسہ کے راجہ کے نام اس خط میں محمود گاواں کی جانب سے اس کو حملہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ سلطان محمود گاواں کی مُہر دیکھتا ہے اور اس کے ذہن میں بے لوث، مخلص محمود گاواں کی نہیں بلکہ ''غدّار'' محمود گاواں کی تصویر ابھرتی ہے اور وہ حکم دیتا ہے کہ محمود گاواں کا سرتن سے جُدا کر دیا جائے۔ اس طرح 14 / اپریل 1481ء کو محمود گاواں شہید ہو جاتے ہیں۔

یہ تو اس ''مُردہ پرست'' دنیا کا دستور رہا ہے۔ سلطان کو محمود گاواں کا سرتن سے جُدا کرنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ خود اس کا سر بھی خطرہ میں ہے۔ مضبوط اور متحد بہمنی سلطنت کا جاہ و جلال ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ پھر سلطان کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ مشکل سے ایک سال وہ ''گاواں'' کی جدائی برداشت کرتا ہے۔ کبرسنی (78 سال) میں محمود گاواں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ نوجوان سلطان صرف 29 / سال کی عمر میں اپنے شہیدِ بے گناہ خواجۂ جہاں سے جا ملتا ہے۔

جب میں نے محمود گاواں کے حالات پڑھے تھے، میں نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ مجھے سلطنت بہمیہ کے پایۂ تخت بیدر دیکھنے کا موقع عطا کرے۔ میری یہ دیرینہ خواہش 1977ء میں پوری ہوگئی۔ میں اپنے صدر دفتر واقع بنگلور میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا، خوش قسمتی سے اچانک میرا تبادلہ بحیثیت منیجر ٹورسٹ ہوم' بیدر' پر ہوگیا۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اپنے ہیرو کے آثار کا کھوج لگانا شروع کر دیا۔ آخر کار محمود گاواں سے نہ صرف ''ملاقات'' ہوئی بلکہ ان سے ''ہمکلام'' ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اتنا ہی نہیں ان کی ''رہبری'' میں بیدر کی سیر بھی کر ڈالی۔ بیدر کیا تھا اور کیا ہے، آئندہ صفحات میں خواجۂ جہاں محمود گاواں خود آپ کو بتلائیں گے۔ یہاں مختصراً یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی کوئی سیاح بیدر میں داخل ہوتا ہے تو تاریخ کے فاصلے آنِ واحد میں طے ہو جاتے ہیں اور وہ پانچ سو سال پہلے کے سلطنت بہمیہ کے دوسرے پایۂ تخت میں پہنچ جاتا ہے۔ خاکسار نے اپنے اس ریڈیائی ڈرامے میں نہ صرف کل کے بیدر کا نقشہ کھینچا ہے بلکہ،

اس کے پڑھنے والے کے ذہن پر آج کے بیدر کے بھی نقوش ابھر جائیں گے۔ بیدر ایرفورس کا ایک اڈہ ہے، اس کا ابتدائی تربیتی اسکول بھی یہاں ہے۔ اس کے باوجود یہاں کے سائیکل رکشے، اُونٹ کی سواری، بھولے بھالے لوگ، دیہاتی ٹائپ ہوٹل، یا ''ڈبے'' منفرد خوبصورت بیدری سامان، دلفریب منظر، ناچتے گاتے جھرنے، خوشگوار آب وہوا، ماضی کی عظمت کی نشانیاں بہمنی آثار اور یہاں کی مخصوص تہذیب، جو کہ قومی یکجہتی کی بہترین مثال پیش کرتی ہے، سیاح کا دل جیت لیتی ہے۔

خاکسار کا یہ ریڈیائی ڈرامہ Tourism - oriented ہے جو کہ سیاحوں کو ڈرامائی انداز میں بیدر کی تاریخ، تہذیب اور آثار قدیمہ سے رُوشناس کراتا ہے۔ کچھ دن پہلے مسٹر فرانسس' ایک امریکن سیاح نے راقم الحروف سے شکایت کی تھی کہ بیدر میں سیاحوں کے لئے کچھ زیادہ سہولتیں نہیں ہیں اور یہ واقعی پس ماندہ ضلع ہے اور پھر اُسی سانس میں یہ بھی کہا کہ اچھا ہے کہ یہ پس ماندہ ہی رہے تاکہ سیاح پندرھویں صدی کے خوبصورت تاریخی آثار اسی فضا میں دیکھ سکیں۔ شہر بیدر کی سیر کرنے کے بعد بلجیم سے آئی ہوئی ایک خاتون نے کہا کہ ہندوستان کے تمام تاریخی مقامات میں بیدر ہی وہ واحد شہر ہے جو اپنی قدیم کشش قائم رکھے ہوئے ہے۔

ٹورزِم ڈپارٹمنٹ کے ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ بیدر جس میں سیاحوں کی دلچسپی کے سبھی سامان ہیں، ہندوستان کے دیگر اہم تاریخی مقامات کی طرح اسے بھی ٹورِسٹ سنٹر بنائیں۔ ''ہندوستان کی تلاش'' میں آئے ہوئے بیرونی سیاحوں کو بہمنی سلطنت کی ہمعصر و جے نگر سلطنت کے آثار دیکھنے کی دعوت دی جاتی ہے، لیکن بیدر کو نظر انداز کر دیا جا رہا ہے۔ اگر فرقہ پرستی کا چشمہ اتار پھینکیں تو یہ سیاح دکن کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے آثار بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کاش! ہمپی کا ہی مقام بیدر کو بھی مل جاتا، تاکہ سیاحوں کو ماضی کی ایک عظیم سلطنت کا تعارف ہوتا اور ان کی زندہ نشانیوں سے وہ لطف اندوز ہو سکتے۔ مدرسۂ محمود گاواں کے متعلق پرسی براؤن نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ''ایسا لگتا ہے کہ سمرقند کی کوئی شاندار اسلامی درسگاہ کو بیدر میں منتقل کر دیا گیا ہے۔'' اگر ٹورزم ڈپارٹمنٹ کے ذمہ دار افراد بیدر میں خصوصی دلچسپی لیں اور مناسب پبلسٹی کریں تو روس، ایران، ترکستان اور افغانستان کے علاوہ دیگر ممالک سے بھی کثیر تعداد میں سیاح بیدر آ سکتے ہیں۔

اردو یا دیگر ہندوستانی زبانوں میں واجد علی شاہ، ٹیپو شہید، بہادر شاہ ظفر، اکبر، شاہجہاں، جہانگیر اور قلی قطب شاہ کے ڈرامے تو ملتے ہیں لیکن محمود گاواں پر کوئی تخلیق ڈرامائی انداز میں نہیں ملتی۔ امید ہے کہ اردو دنیا ''محمود گاواں کی واپسی'' کا استقبال کریگی۔

...... جناب ایم۔ ایچ' خان، پروگرام ایکزیکیٹیو (اردو) آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے غنائی پس منظر کے ساتھ نہایت ہی دلچسپ انداز میں سب سے پہلے خواجۂ جہاں محمود گاواں کو آواز کی دنیا میں پیش کیا۔

رحمٰن آذر

ٹورسٹ ہوم

بیدر

19/جولائی 1978ء

● تاریخ وادب کے شیدائیوں نے ''محمود گاواں کی واپسی'' کا پرجوش استقبال کیا ہے۔ پہلے اڈیشن کی کتابت اردو دنیا کے جانے مانے کاتب جناب سلام خوشنویس نے کی تھی جو کہ 1978ء میں حیدرآباد سے شائع کیا گیا تھا اور وہ بہت مقبول ہوا تھا۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے 1980ء اور 1987ء میں بنگلور سے دو ایڈیشن شائع کئے گئے۔

یہ تازہ ایڈیشن (آفسٹ) آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خاکسار کو بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ مختلف اخبارات اور حضرات کا جنہوں نے اپنی گرانقدر آراء سے نوازا، ان سب کا تہہ دل سے شکریہ!

رحمٰن آذر

بنگلور

26/جنوری 2015ء

محمود گاواںؒ

کی

وَاپسیؒ

اَفراد

- قُلی
- صحافی
- رِکشہ والا
- حکیم جی
- محمود گاواں
- حضرت جامؔی
- دَمنؔ اور اس کی سہیلیاں

[آدھی رات گئے ٹرین ٹھہر جاتی ہے۔ اسٹیشن میں قسم قسم کی آوازیں آتی ہیں ایک ریلوے قلی چلاتا ہے۔'' ممت آباد بیدر! ممت آباد بیدر''!!]

صحافی اسٹیشن سے باہر آ کر رکشہ والے سے یُوں مخاطب ہوتا ہے

''ارے وہ رکشہ والے! محمود گاواں کے مقبرہ کو چلو''!!

رکشہ والا: صاب ہم تو بیدر میچ پیدا ہوئے۔ تعلیم بھی ادھرچ حاصل کی۔ یہ محمود گاواں کا مقبرہ تو ہم نے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں سُنا ہے! ہاں یاد آیا چھتری کے پاس'' گاوان کیفے'' ہے۔ شاید آپ اس کے مالک سے ملنا چاہتے ہیں۔

صحافی: یہ کیا بکواس ہے! میں مقبرہ کی بات کرر ہا ہوں اور تو مجھے ہوٹل لے جانا چاہتا ہے؟ (اپنے آپ سے) یا اللہ! اِس تاریخی شہر میں کیا تاریخ مر چکی ہے؟ اس قدر نا قدر شناسی!!۔

رکشہ والا: ابھی ٹھہرو! پان محل والے حکیم جی گولہ خانہ اسٹریٹ میں رہتے ہیں، ان کو پوچھ لیں گے۔ رکشہ میں تو بیٹھو صاب! ویسے مجھے کوئی اُجڑ، جاہل رکشہ والا نہیں سمجھنا۔ میں میٹرک پاس ہوں۔ اس رکشہ نے میری زندگی کا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ صاب! اس ظالم زندگی میں تو اپن نے سب کچھ بھلا دیا ہے۔ ہاں، یاد آیا، ہمیں اسکول میں بہمنی سلطنت اور اس کے قابل وزیراعظم محمود گاواں کے متعلق پڑھایا تو گیا تھا۔ لیکن صاب، میں بیدر میں بہمنی سلطنت کے آثار کیا خاک تلاش کرتا، اب تو میری قسمت میں بھاڑے تلاش کرنا لکھا ہے۔

میرے ایک پڑوسی ہیں، پان والے حکیم جی، وہ بہت بڑے عالم ہیں صاب!

صحافی: اچھا، تو ان کے پاس لے چلو!

(رکشہ والا گھنٹی بجاتا ہوا حکیم جی کے گھر لے جاتا ہے)

رکشہ والا: اب تو ہم گولہ خانہ اسٹریٹ آ گئے ہیں صاب! وہ رہا حکیم جی کا گھر۔ میں حکیم جی کو آواز دے کر آتا ہوں۔ (زور زور سے چلاتا ہے) حکیم صاب۔ حکیم صاب!!

ایک معمر شخص کی آواز: آدھی رات گئے کون مریض آیا ہے؟ ذرا ٹھہرو بھئی میں ابھی آیا۔ آج ہی ظالم کرنٹ چلایا گیا۔ میں ابھی لالٹین لے آیا۔ ذرا دیکھوں تو سہی کون آیا ہے؟۔

(حکیم جی گھر کے اندر سے لالٹین لے کر باہر آتے ہیں اور رکشہ میں سوار مسافر کو لالٹین کی روشنی میں دیکھتے ہیں)

حکیم جی: یہ دواخانہ ہے میاں...... یہ بستر وستر ساتھ کیوں لائے ہو؟ کیا مرض ہے تمہیں؟ تم تو ماشاء اللہ کافی صحت مند نظر آتے ہو۔ شاید مرضِ عشق میں مبتلا ہو۔ تو میاں...... اس کا علاج ہمارے ہاں نہیں۔ یہ جوانی کا عالم! بے چینی اور انتظار کا عالم!! ہاں، اے نوجوان، آج سے ساٹھ سال پہلے میں بھی اس منزل پر تھا، جس پر تو ہے۔ میں اپنے ماضی کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ لوگ مجھے "پان محل والے حکیم جی" کہتے ہیں۔ ظالم لوگ......! بہت پہلے میں نے لنگور گلی میں پان کی دکان لگائی تھی۔ وہ مجھے اس کی یاد دلاتے ہیں۔ خیر، چھوڑ دو ان باتوں کو...... اگر تم معجون بیدری کی ایک شیشی استعمال کرو گے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ یاد رکھو! میرے یہ بال ویسے ہی سفید نہیں ہوئے ہیں میاں۔ تجربات کی بھٹی میں جل بھننے کے بعد یہ سفیدی آتی ہے۔ بے خوابی، جنونِ عشق یہ سب مرض دفع ہو جائیں گے...... لیکن تم کافی پریشان نظر آتے ہو، اسی لئے میں پچاس روپے کی شیشی پچاس پیسے میں دے دیتا ہوں۔

صحافی: معاف کیجئے حکیم صاحب! مجھے کوئی بیماری نہیں۔ اگر جنون ہے تو صرف یہی کہ میں اجنبی شہروں میں تاریخی آثار تلاش کرتا ہوں۔

حکیم جی: کیا مطلب؟

صحافی: محمد آباد بیدر، سلاطینِ بہمنی کا دوسرا پایہ تخت رہا ہے۔ حسن آباد، گلبرگہ کے بعد اس خوبصورت شہر کی رونق انہی سلاطین نے بڑھائی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر زمین پر نہیں، کسی آسمان پر بسایا گیا ہے۔ میں کافی دُور سے آیا ہوں۔ محمود گاواں کی زندگی اور موت تاریخ دکن کا نہایت ہی دلچسپ اور اہم باب ہے۔ میرا ذہن کافی متاثر ہے اس ہمہ رنگ شخصیت سے! کیا آپ اس شہید بے گناہ کے مقبرہ کا پتہ بتائیں گے؟

حکیم جی: (حیرت سے) اور وہ بھی اس آدھی رات گئے؟

رکشہ والا: (صحافی سے) میں رات کو قبرستان نہیں جاؤں گا۔ معاف کرنا صاب، میرا بھاڑا دے دو۔ ایک روپیہ!

صحافی: لے تیرا ایک روپیہ، لیکن اب وہ رکشہ والے! کیا تو کبھی قبرستان نہیں جائے گا۔ ہاں تو ٹھیک ہی کہتا ہے، تو بذات خود نہیں، بلکہ تجھے تو وہاں لے جایا جائے گا! (رکشہ والا، ایک روپیہ لے کر گھنٹی بجاتے رات کی تاریکی میں غائب ہو جاتا ہے)

حکیم جی: (صحافی سے) بیٹے اندر آؤ! (حکیم جی کی آواز سے شدید محبت اور سنجیدگی ظاہر ہوتی ہے) میری اسی سالہ زندگی میں تو پہلا شخص ہے جو کہ محمود گاواں کا مقبرہ پُوچھ رہا ہے۔ مرحبا! اے نوجوان مرحبا!! ہماری موجودہ نسل تاریخ بیزاری کا شکار ہو چکی ہے۔ ہمارے نوجوان تاریخ کو بھلا سکتے ہیں، لیکن تاریخ سدا زندہ رہتی ہے' وہ کسی کو نہیں بھولتی اور نہ ہی وہ کسی کو معاف کرے گی۔ خیر' تو محمود گاواں کا مقبرہ پوچھ رہا تھا۔ یہاں سے کچھ دور بعد داہنی طرف مڑ جانا۔ ایک پکا راستہ آگے آئے گا۔ وہ شاہراہِ حیدرآباد ہے۔ اس پر تو چلتا جائے گا تو تجھے خواجہ ابوالفیض" کا گنبد نظر آئے گا۔ اسی کے سامنے سے ایک اور کچا راستہ جاتا ہے۔ گُرنلی کو۔ وہیں ایک چبوترے پر محمود گاواں کا مزار ہے۔

صحافی: (مسرت آمیز لہجہ میں عُجلت سے) بہت بہت شکریہ حکیم صاحب! (صحافی چل پڑتا ہے۔ تھوڑی دور بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کے بعد اسے ایک سفید گنبد نظر آتا ہے)

صحافی: (اپنے آپ سے) یہ راستے کے دونوں طرف لہلہاتے کھیت اور باوقار سفید گنبد اور اس

کے بالکل سامنے ایک کشادہ میدان کسی الف لیلوی منظر کی یاد دلاتا ہے۔ واقعی یہ شہر زمین پر نہیں، کسی آسمان پر بسا نظر آتا ہے...... یہ ٹھنڈی نشیلی ہوائیں، یہ دلفریب منظر...... خواجہ ابوالفیض" کا گنبد تو آ گیا۔ ارے ہاں! وہ رہا دور...... ایک چبوترہ۔ اس پر کئی مزار صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ویران جگہ ہے، لیکن ایسا احساس ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسی محفل گرم ہے، جس میں بیک وقت کچھ لوگوں کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور کچھ لوگوں کے ہاتھ میں جام، کچھ لوگوں کے ہاتھ میں قلم اور کچھ لوگوں کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ اصل میں یہاں ویرانی کا احساس ہی نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے تو عجیب سا سکون مل رہا ہے۔ اس طرف جوار اور گنّے کے کھیت...... ارے یہاں تو کوئی کھائی نظر آتی ہے...... وہ رہا چبوترہ! اس پر تو ایک نہیں کئی ایک مزار نظر آ رہے ہیں۔ پتہ نہیں، خواجۂ جہاں کا مزار کونسا ہے۔ بیگ سے ٹارچ تو نکال لوں۔ لوحِ قبر صاف دکھائی دیتی ہے۔

(ٹارچ کی روشنی میں وہ لوحِ قبر پڑھتا ہے۔ پھر یہ الفاظ اس کی زبان پر آ جاتے ہیں)

"بے گناہ محمود گاواں شد شہید!" بحکم فرمانروائے دکن میر عثمان علی خاں، سرکشن پرشاد نے یہ تختی لگائی تھی۔

(صحافی محمود گاواں کے مزار سے لپٹ جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ آنسو کے قبر پر پڑتے ہی ایک معمر شخص قبر سے نمودار ہوتا ہے)

اجنبی: کس کے آنسوؤں نے ہماری قبر کے دروازے کھول دیئے؟ کس نے ہمیں پھر سے دنیائے آب و گل میں لے آیا۔؟...... کیوں آیا ہے یہاں؟

صحافی: کون ہیں آپ؟

اجنبی: تُو ہم سے ہمارا نام پوچھ رہا ہے؟ ہاہا!! ہاہا!! ہاہا!!! اچھا تو سن! تاریخِ دکن ہمیں محمود گاواں کے نام سے جانتی ہے۔

صحافی: میں ایک صحافی ہوں خواجۂ جہاں، میں آپ ہی سے ملنے بیدر آیا تھا۔

گاواں: شکر ہے خدا کا کہ تقریباً پانچ سو سال بعد بھی مجھ سے ملنے کوئی آیا۔ ویسے تاریخِ عالم کیا

ہے؟ ایک گورِ غریباں نظر آتی ہے۔

صحافی: (اپنے آپ سے) چاندنی رات میں خواجۂ جہاں کی شکل صاف نظر آرہی ہے۔ باوقار شخصیت، چہرے پر ڈاڑھی اور شاہانہ لباس۔ (گاواں سے)

گستاخی معاف! یہ بھی کوئی موت ہے کہ بس یونہی سلطان محمد شاہ کی شمشیر آب دار کی پیاس بجھادی اور چلے دعویٰ کرنے سلطنتِ بہمنیہ سے وفاداری کرنے کا۔

آپ کی بہادری اور عظمت، آپ کی علم دوستی اور کارِ مملکت کو خوش اسلوبی سے سنبھالنا۔ ان سب سے کون انکار کرسکتا ہے؟ مگر یہ بھی سچ ہے۔۔

بے اجل منزلِ فانوس پہ مَرنے والے
جان کیا دیتے ہیں اِک رسم اَدا کرتے ہیں
موت کتنی ہی شاندار سہی
زندگی کا مگر جواب نہیں

گاواں: زندگی اللہ کی امانت ہے۔ ہم نے کبھی زندگی کو دولت اور شہرت کے ترازو میں نہیں تولا۔ شاید تو نہیں جانتا۔۔

ہر ایک پَل میں کئی بار قتل ہوتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہے زندگی کا وقار

صحافی، تُو تو جانتا ہے، ہمارا اصل پیشہ تجارت تھا۔ دُنیا میں ہر کوئی تاجر ہے۔ لیکن یہاں سُود وزیاں، جزا وسزا کا سوچے بغیر راہِ حق پر چلنا ہی اصل زندگی ہے۔۔

عیسیٰ کی داستاں ہوکہ منصور کی صَدا
ہر سِلسلہ وفا کا پہنچتا ہے دار تک
بعد از وفات تربتِ مادر زمیں مجُو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست
چوں شہیدِ عشق در دُنیا و عقبیٰ سرخروست

خوش دمے باشد کہ مارا کشتہ زیں میداں برند

(اچانک خواتین کے قہقہے اور گھنگرو کی آواز آتی ہے)

صحافی: خواجہ جہاں اِس چاندنی رات میں یہ پائل کی آواز...... یہ مترنم قہقہے...... یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔

گاواں: (قہقہہ مارتا ہے) تو اے نوجوان تُو سمجھتا ہے کہ ہمارے دربار میں رقص و سرود کے دَور چلتے ہیں؟

(ایک معمر شخص اچانک نمودار ہوتا ہے)

اجنبی: اے نوجوان کیا تو سمجھتا ہے کہ خواجہ جہاں کا دربار کسی منچلے وزیر اعظم کا دربار ہے؟ یہ وہ خواجہ جہاں ہے جس کا نہ صرف دکن میں بلکہ تمام وسط ایشیا کی علمی و ادبی محفلوں میں سکہ چل گیا تھا۔ ایران، حجاز، عراق اور دیگر ممالک سے بہترین دماغ انہوں نے سرزمینِ دکن میں یکجا کر لئے تھے۔ اصل میں انہوں نے خاکسار کو بھی دعوت دی تھی، لیکن میں اُس وقت نہیں آسکا۔

صحافی: خواجہ جہاں! یہ کون صاحب ہیں؟

گاواں: یہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ ہیں۔

صحافی: (جامیؔ سے) حضرت جامیؔ ایران سے بیدر کیسے؟

جامیؔ: ہم اس وقت زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں (یہ کہہ کر وہ روپوش ہوجاتے ہیں)

(چوڑیوں کی کھنک، گھنگرو کی آواز، اور خواتین کے قہقہے تیز تر ہوجاتے ہیں)

گاواں: ہم نے ایران چھوڑا، لیکن خالص ایرانی ماحول ہم نے دکن میں پایا۔

اللہ رے دکن کی بہاریں، دکن کی صبح

جیسے ہجومِ لالہ وگل میں چمن کی صبح

او دیکھو، شہزادی دمن اور اس کی سہیلیاں...... اس کو ہمارا لال تالاب اور آم کا باغ بہت پسند ہے۔

ایک سہیلی: شہزادی صاحبہ! او دیکھئے خواجہ جہاں تشریف لا رہے ہیں۔

دمن اور اس کی سہیلیاں: نمستے خواجہ جہاں!

گاواں: خوش باش! کیا بات ہے کہ ہم حُسنِ بیدر کو کچھ زیادہ مسرور دیکھ رہے ہیں؟

دمن: کوئی خاص بات نہیں ہے خواجہ ٔجہاں، میں ابھی ابھی نرسمہہ جھرنے سے نہا کر آ رہی ہوں۔ وہ بھی مالوہ سے یہیں آتے ہی ہوں گے۔

صحافی: (اپنے آپ سے) یا اللہ! یہ چاند زمین پر کیسے آ گیا؟

دمن: خواجہ ٔجہاں، یہ اجنبی کون ہے؟

گاواں: یہ صحافی تم سے بھی ملنا چاہتا تھا، اچھا ہوا کہ تم آ گئیں۔

دمن: میں کیا کروں گی صحافی کو لے کر...... میں نہیں چاہتی کہ کوئی روداد عشق پھر سے لکھے۔ کیا کام ہے ان کی تحریروں سے ہم عشق کے ماروں کا؟ ویسے فیضی نے ہم دونوں کا ذکر نہایت ہی اچھے انداز میں کیا ہے۔ صحافی! کیا تم نے نہیں پڑھا، فیضی نے میرے نل کی بہادری......

صحافی: گستاخی معاف شہزادی صاحبہ! اور آپ کے حُسن کی تعریف تو خوب کی ہے۔

دمن: شاید وہ آ رہے ہیں!

(اچانک گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دیتی ہے)

صحافی: شہزادی صاحبہ! کون آ رہے ہیں؟

دمن: اور کون؟ میرا نل...... میرا اپنا نل...... مہاراجہ نل!

(گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز قریب تر ہوتی جاتی ہے اور پھر کوئی گھوڑے سے اترتا ہے)

دمن: اچھا تو اب اجازت دیجئے خواجہ ٔجہاں۔

(دمن جاتی ہے)

گاواں: (صحافی سے) صحافی! بیدر، سرزمینِ دکن کا وہ شہر ہے، جہاں پر کئی ایک عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی سے سرشار دیوانے رہا کرتے تھے۔ حضرت خلیل اللہ کرمانیؒ، حضرت خواجہ ابوالفیضؒ اور دیگر بہت سے صوفیوں نے نہ صرف اس کو اپنا وطن بنایا بلکہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ شاید تو نہیں جانتا۔ حضرت خواجہ ابوالفیضؒ کے دادا حضرت خواجہ بندہ نوازؒ تھے۔ ہم نے لختِ جگر بی بی نعمت کو ان کی زندگی کا ساتھی بنایا تھا...... آ ؤ، ہم شہر بیدر کی سیر کرائیں۔ سب سے پہلے ہم تجھے چشمہ ٔسادات لے چلیں گے۔ یہ چشمہ حضرت سید السادات کا

ہے، جن کے مبارک ہاتھوں سے سُلطانِ وقت کی رسمِ تاجپوشی ادا کی جاتی تھی۔ ماضی قریب میں آصف جاہی حکمران بھی یہیں کا پانی پیتے تھے۔ (خواجہ جہاں اور صحافی چشمہٗ سادات کا پانی تبرکاً پیتے ہیں)

صحافی: خواجہؔ جہاںؔ میں کافی تھک گیا ہوں۔ کیوں نہ ہم دونوں گھوڑوں پر سیر کر آئیں؟

گاواں: ہم نے حکومتِ بہمنی کے لئے بہترین گھوڑے بیرونی ممالک سے منگوائے تھے۔ ہمارے اصطبل میں دو ہزار سے زائد گھوڑے تھے۔ ان میں سے ایک ہزار کے قریب ہمیشہ کوچ کیلئے تیار رہتے تھے۔ انہیں گھوڑوں پر سوار ہوکر ہماری معیّت میں قلمروئے بہمنی کے جانبازوں نے کئی معرکے سر کئے تھے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں پروردگارِ عالم نے قلم کے ساتھ ساتھ تلوار بھی چلانے کی اپنے بازوؤں میں طاقت دی تھی۔ بیدر میں ویسے اونٹ بآسانی ملتے ہیں، ہم تجھے اُونٹ کی سواری کرائیں گے۔ او دیکھ...... علی برید کے پُرشکوہ گنبد کے قریب ایک اُونٹ بیٹھا نظر آ رہا ہے۔

(صحافی اور خواجہ جہاں دونوں اُونٹ پر سوار ہوتے ہیں)

گاواں: کتنا بدل چکا ہے محمد آباد بیدر! آج بھی ہمارے دَور کی نشانیاں زندہ ہیں۔ بس نظر چاہئے دیکھنے کے لئے۔ جادو اثر گیسوئے دمن کا رنگ یہاں کی خاک کو اللہ نے بخشا ہے۔ مٹی تو تُو دیکھتا ہے، شاید دمن کے لب و رخسار کی سرخی یہاں کی مٹی نے چرالی ہو!

صحافی: گستاخی معاف! لیکن میں نے سنا تھا کہ یہ آپ کے خون کا اثر ہے۔

گاواں: خیر، چھوڑ دے ان باتوں کو...... سب سے پہلے ہم اشٹور چلیں گے، جہاں شہاب الدین احمد شاہ ولی بہمنی اور میرے محسن سلطان محمد شاہ بھی آرام فرما ہیں۔ سچ ہے موت ہر کسی کو ایک ہی سطح پر لاتی ہے۔ سلطان علاؤالدین، سلطان ہمایوں شاہ، کمسن سلطان نظام شاہ، کے علاوہ ملکہ شاہجہاں بیگم اور ملکہ مخدوم جہاں بیگم بھی دوسری دنیا میں راج کر رہی ہیں۔

صحافی: وہ شکستہ گنبد کے نیچے کون صاحب آرام فرما ہیں؟

گاواں: یہ سلطان ہمایوں شاہ کا مقبرہ ہے، لیکن یہ دنیا عجیب ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

آج سلطان ہمایوں شاہ کے نام کے آگے تاریخِ دکن میں ''ظالم'' بھی نظر آتا ہے، حقیقت یہ ہے صحافی...... سلطان ہمایوں نہایت ہی سخت مزاج تھے...... لوگ ان کے ویران گنبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ، وہ نہایت ''ظالم'' تھے۔ ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ نہایت ''عیاش'' بھی تھے۔ اس کے لئے وہ دلہن دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی دروازے سے ہر نئی دلہن بادشاہ کے محل میں پہنچائی جاتی تھی اور بادشاہ اپنی جنسی بھوک مٹاتا تھا۔ واقعہ یہ ہے صحافی...... ایک دولہا سلطان نہایت ہی کم سنی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ تھے نظام شاہ، بدقسمتی سے وہ شادی کی پہلی رات ہی چل بسے۔ جس دروازے سے کم عمر سلطان کی لاش شاہی قبرستان، اشٹور لائی گئی، اس دروازے کو دلہا دروازہ کہا جانے لگا لیکن یار لوگوں نے اپنے کسی مقصد کے لئے دلہا دروازے کو ''دلہن دروازہ'' بنا ڈالا...... اور تاریخ نے بھی حقائق سے آنکھ چُرا لی۔ ہمیں سلطان کی خدمت کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ محمود گاواں جو اپنے سر کو اپنے تن سے بخوشی جدا کر سکتا ہے، محض وفاداری اور اپنے اصول کی خاطر، کیا وہ اتنا بڑا ظلم برداشت کرتا؟ پروردگارِ عالم نے ہمارے بازوؤں میں وہ طاقت دی تھی، جس سے بیک وقت ہم قرطاس وقلم کی دنیا اور میدانِ کارزار میں ہر مخالف کو مات کر دیتے تھے، لیکن اتنا بڑا وحشیانہ ظلم ہونے کے باوجود کیا ہمارا قلم اور ہماری تلوار حرکت میں نہ آتی؟۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے، چونکہ سلطان ہمایوں شاہ ''ظالم'' تھے، اسی لئے ان کا گنبد بجلی کی زد میں آ گیا۔ پتہ نہیں، ان کا کیا خیال ہے، ہمارے مدرسہ کے متعلق؟ کیونکہ وہاں بھی تو بجلی گری تھی اور قریباً نصف سے زائد عمارت برباد ہوگئی۔ شکر ہے خدا کا کہ کسی ناگہانی آفت سے مدرسہ کے برباد ہونے کو لوگ ہماری زندگی سے جوڑ نہیں دیتے۔

صحافی: خواجۂ جہاں! او دیکھئے، یہ بہمنی سلاطین کی آخری آرام گاہ کی چاروں طرف گنّے اور جوار کے کھیت ہیں۔

گاواں: صحافی، تو تو گنّے اور جوار کی بات کرتا ہے۔ ہم نے اسی سرزمین پر زعفران کی کاشت کی تھی۔ یہاں اخروٹ، شہتوت، انگور، سیب اور امرود بکثرت نظر آتے تھے۔ ہمارے دور میں ایک روسی سیاح آیا تھا، اس نے بھی کہا تھا کہ ہمارے ہاں ضرورت کی سبھی چیزیں میسر تھیں۔ وہ ہماری رعایا کی پر سکون زندگی اور بہمنی سلطنت کے جاہ وجلال سے کافی متاثر ہوا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج بیدر، کرناٹک کا پس ماندہ ضلع کہلاتا ہے۔ لیکن بہمنی دور میں اس کے چرچے سات سمندر پار تھے۔ کیا تو نے بیدری فن کاروں کا جست سے آرائشی سامان اور دیگر کارآمد اشیا بنانے کا کمال نہیں دیکھا؟

صحافی: آرٹ کی دنیا میں بیدر کے ان فن کاروں کا خوبصورت تحفہ دیکھا ہے، خواجۂ جہاں، آیئے اب آپ کے مدرسہ چلیں۔

گاواں: دنیا کے تشنگانِ علم وادب ہمارے اس مدرسہ سے فیضیاب ہوتے تھے۔ یہ ٹوٹے ہوئے درودیوار، نقش ونگار، مختصر یہ کہ اس کی ہر اینٹ سے علم وتقدس کی بو آتی ہے۔ 30/ہزار کارآمد کتابوں کے علاوہ طلبہ واساتذہ کے قیام کا بھی یہاں بندوبست تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ اپنے طرز کی واحد اقامتی درسگاہ تھی، جس کے بلند مینارے زندگی کی تاریکی دور کرتے تھے۔ مشہور علماء نے اپنے خون سے اس کا چراغ جلایا تھا۔ ویسے ہم بھی وہاں درس دیتے تھے۔

صحافی: آپ کا یہ مدرسہ ہندوستان میں ایرانی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ گو، دوسو سال تک یہ چراغ روشنی پھیلانے کے بعد آج خاموش ہے، لیکن اس کی خاموشی سے بھی علمی شان اور جلال کا پتہ چلتا ہے۔ سفید، زرد اور نیلے رنگوں کی دلکش تحریریں کہہ رہی ہیں۔ ۔

مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گزشتہ کے نقوش
پھر بھی اک چیز ہے ایسی جو فراموش نہیں!

ایں عمارت تا قیامت پائیدار!

گاواں: ابھی ہم تجھے قلعہ کی سیر کرائیں گے، کیا زمانہ تھا...... آج سے پانچ سو سال پہلے یہ قلعہ ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ یہ رہی خواتین کی مسجدِ سولہ ستون، وہ رہا علی برید کا رنگین محل۔ رنگین محل سیپی کے کام کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔

(اللہ اکبر، اللہ اکبر...... اذان کی گونج سنائی دیتی ہے)

صحافی!...... سن رہے ہو تم صحافی؟

صحافی: جی ہاں خواجہ جہاں! اذان دی جارہی ہے۔

گاواں: او دیکھ، اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد!

صحافی: خواجہ جہاں! کہاں غائب ہو گئے آپ؟

(اپنے آپ سے) سچ ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لئے

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد!

———●●●
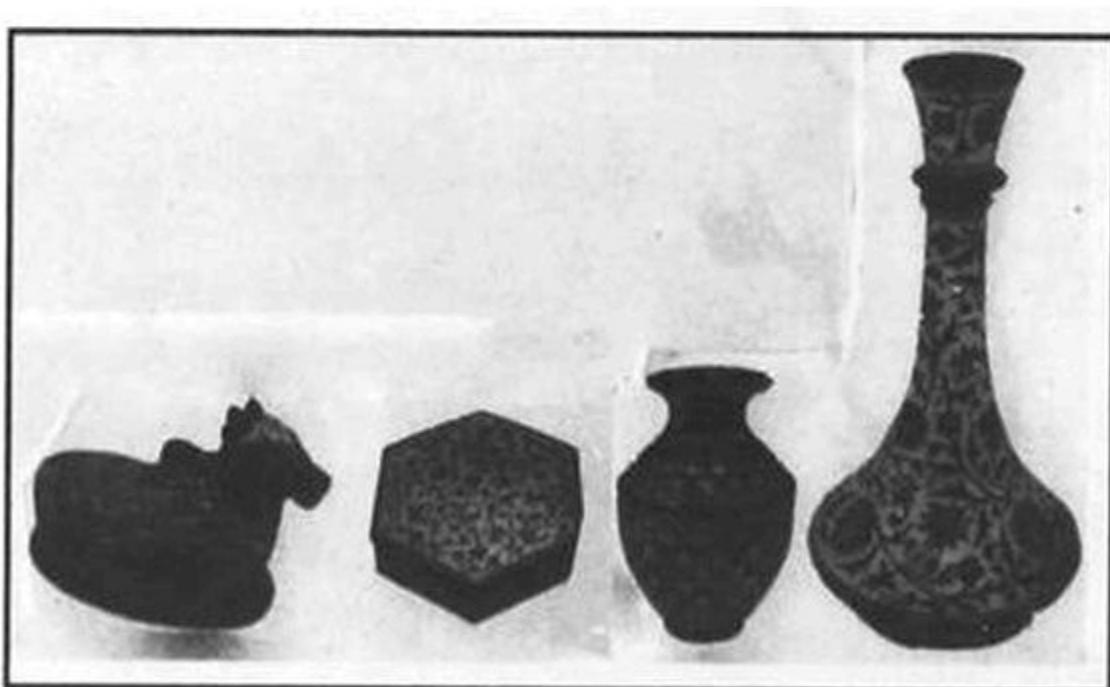
خوبصورت آرائشی اور کارآمد بیدری اشیا

اوروں کی نظر میں

○

''دکن کی بہمنی سلطنت کے نامور وزیر اعظم خواجہ عماد الدین محمود گاواں کی شخصیت کو ریڈیائی ڈرامہ کے روپ میں بڑے اچھے اور سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی عالمِ خیال میں مرحوم وزیر اعظم سے ملاقات کے ضمن میں بیدر کے اہم تاریخی مقامات کی سیر بھی کرادی گئی ہے۔ یہ بلا شبہ اپنی نوعیت کا اردو میں پہلا ریڈیائی ڈرامہ ہے۔''

ہفتہ وار ''صدق جدید'' لکھنؤ

○

''جناب رحمٰن آذر کے ریڈیائی ڈرامے ''محمود گاواں کی واپسی'' سے محمد آباد بیدر کی تاریخ اور سلطنت بہمنیہ کے قابل وزیر اعظم خواجہ محمود گاواں کی شخصیت اور اعلیٰ کارناموں کی سچی اور صحیح تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ڈرامہ نگار چونکہ بذات خود ذہنی طور پر خواجہ محمود گاواں کی معیت میں بیدر اور اس کے تاریخی مقامات کی زیارت کرتا ہے، جس سے مختلف تاریخی واقعات پر پڑے ہوئے دانستہ چشم پوشی یا غلط فہمی کے پردے چاک ہوتے ہیں اور اس بازیافت سے موجودہ نسل کے قاری کا ذہن روشن ہو جاتا ہے۔ یہی اس ڈرامے کی اہم اور بنیادی خوبی ہے۔ جناب رحمٰن آذر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے پہلی بار اِس عظیم تاریخی شخصیت کو ڈرامے کے ذریعہ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔''

روزنامہ ''سالار'' بنگلور

○

''یہ تخیل کہ بیدر کی مٹی کی لالی دمن کے لب ورخسار یا محمود گاواں کے خون کی مرہونِ منت ہے مجھے خاص طور پر پسند آیا۔

''انداز بیان بہت شگفتہ ہے اور اثر انگیزی کی جو خصوصیت ہے وہ یقیناً مصنف کے احساسات کی تاب وتپش سے مستعار لی ہوئی ہے''۔

بھارت چند کھنہ

سکریٹری، اردو اکیڈمی، آندھرا پردیش، حیدرآباد

○

''محمود گاواں کی واپسی'' رحمٰن آذر کے افکار کی ترجمانی ہے اور ایک گاواں شناس قلم کی دین ہے۔ فاضل ریڈیائی ڈرامہ نگار نوجوان منجھے ہوئے ادیب ہیں۔ ان کے کلامیہ میں فنی بصیرت اور عصری آگہی ملتی ہے جو انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل مطالعہ اور تحقیق کے بعد لکھا ہے۔ مختصراً ''گاواں کی واپسی'' لکھ کر فاضل ڈرامہ نگار نے دریا کو کوزہ میں سمو دیا ہے''۔

ہفتہ وار ''ادبی عکاس'' بیدر

BANGALORE YATRI

- Garden City Guide

By RAHMAN AZER
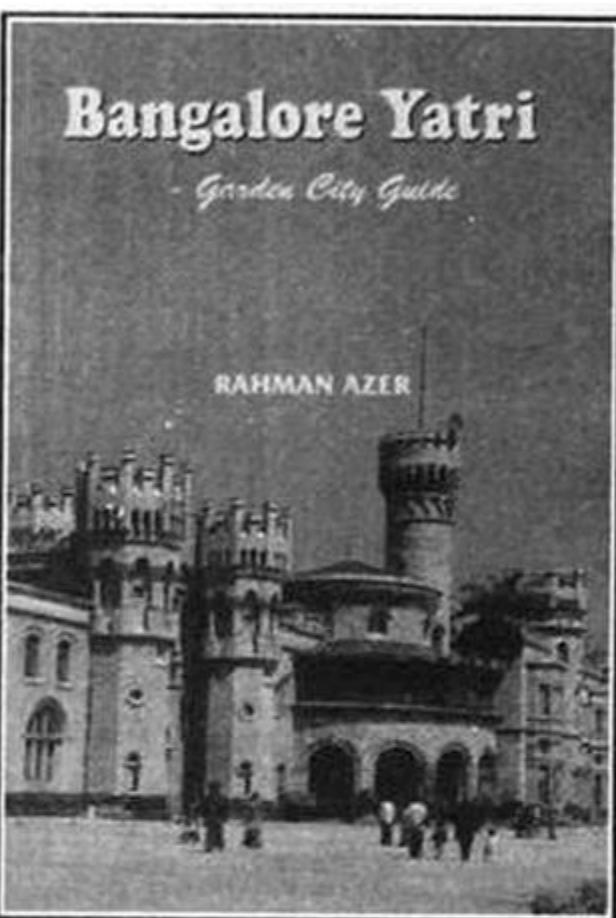
"A Unique City Guide"
-"The Hindu"

Commended by the Press and the reading Public!

"Bangalore Yatri" by Rahman Azer
- Your Indispensable City Guide!!

Price : Rs. 150/-

NAYAB PUBLICATIONS
 # 11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T. Nagar, BANGALORE - 560 032
E-mail : nayab.publications@gmail.com
Ph.: 9740319261

HAIDARIANA

- An Illustrated monograph on Haidar Ali

Haidar Ali, a common soldier uncommonly attained great heights by dint of his hard work. His story tells us that a determined mind works wonders. The **"HAIDARIANA"** by ***RAHMAN AZER*** answers all your questions about this great ruler of Mysore.

* His early life
* Wars
* Contributions
* Monuments

*Rahman Azer's pen-portrait called **"HAIDARIANA"** is a must for the touring public and those interested in the subject.*

NAYAB PUBLICATIONS
 # 11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T. Nagar, BANGALORE - 560 032
E-mail : nayab.publications@gmail.com
Ph.: 9740319261

The Gopuram

-Temples in Karnataka and related articles

* "A useful companion to understand the cultural heritage of Karnataka. **"THE GOPURAM"** is a compendium of careful research. Mr. Azer has made a commendable presentation which whets our appetite to learn more about Karnataka."

- "The Free Press"

* "An inspiring journey through the temples in Karnataka. The book not only covers a brief history of the temples, but also the important festivities, rituals and traditions specific to each temple region..... An invaluable guide for any avid pilgrim or tourist."

- "Deccan Herald"

* "A successful attempt to present the colourful culture and rich heritage of Karnataka."

- "Udayavani"

* "It offers information about temple architecture and rituals."

- "The Asian Age"

* "The book is a mine of information."

- "Vijay Times"
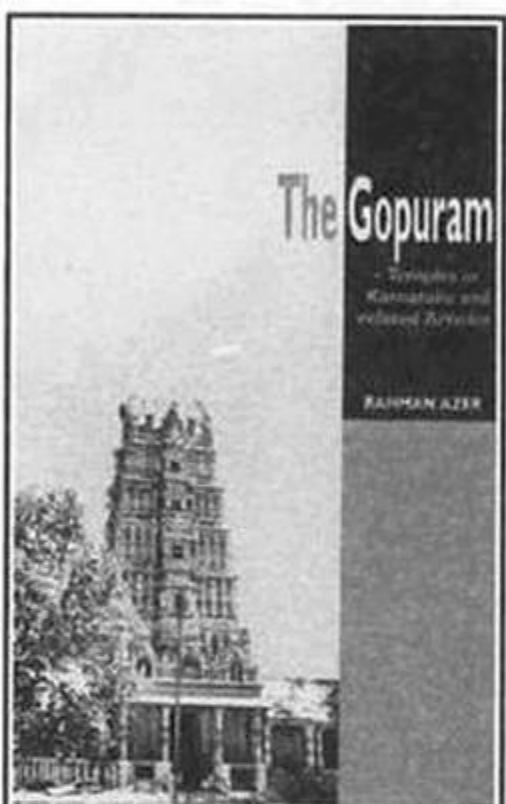
Find out unrivalled pieces of architecture and more in Rahaman Azer's **"THE GOPURAM".**

(Price: Rs. 190/-)

NAYAB PUBLICATIONS
 # 11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T. Nagar, BANGALORE - 560 032
E-mail : nayab.publications@gmail.com
Ph.: 9740319261

"CRESCENT KARNATAKA"

By

RAHMAN AZER

* Sufis and Mosques
* Urdu in Karnataka
* The Navayaths-Karnataka Muslims with their own distinct colourful culture
* Present - day Muslim society
* Pen-portraits of leading Muslims
* Architecture

*In short, "**Crescent Karnataka**" by Rahman Azer answers all your questions about Muslims in Karnataka.*

Remember, It is a Nayab Publication!

Releasing shortly !!

NAYAB PUBLICATIONS
11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T. Nagar, BANGALORE - 560 032
E-mail : nayab.publications@gmail.com
Ph.: 9740319261

- An illustrated Monograph on Tipu Sultan

By RAHMAN AZER

* "Rahman Azer has, in his small and compact book narrated the story of Tipu Sultan very piognantly and effectively."
  - "Deccan Chronicle"

* "Rahman Azer has done a good job in bringing out this small pamphlet which may be useful to the curious.......................... The book carries 37 illustrations which are informative and also authentic."
  - "The Pioneer"

* "It is an intelligent contribution towards clearing of all confusion and misrepresentation. Though the book is too small for such an enterprise, the author deserves compliments for his contribution to the literature on Tipu Sultan."
  - "The Hitavada"

* "Photographs are unusual."
  - "Kannada Prabha"

* "A thin volume on Tipu Sultan which is also authentic."
  - "Sidaq-e-Jadid"

Note : This title is also available in Kannada.

(Price: Rs. 40/-)

Ask for a copy :-

NAYAB PUBLICATIONS
11, 4th Cross, Kaverinagar
R.T. Nagar, BANGALORE - 560 032
E-mail : nayab.publications@gmail.com
Ph.: 9740319261

لوگ کہتے ہیں

"نایاب پبلیکیشنز

آپ کے قیمتی تہذیبی سرمایہ

میں اضافہ کرتے ہیں"

نایاب پبلیکیشنز
Email: nayab.publications@gmail.com
Phone: 9740319261

محمود گاواں

کی

واپسی

ایک
ریڈیائی
ڈرامہ

رحمٰن آذر

رحمٰن آذر

جناب رحمٰن آذر، سابق اڈیٹر ''کرناٹکا ہیریٹیج'' یکم اکتوبر 1938ء کو ہبلی (کرناٹک) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ممبئی کے بھارتیہ وِدّیا بھون کے صحافتی کالج سے ڈپلوما کورس ان جرنلزم مکمل کیا۔ جب بچپن ہی میں ان کے والد انتقال کر گئے تو ان کے بلند ذوق برادر بزرگ جناب مخدوم حسین کے زیرِ تربیت انہوں نے زندگی کے ابتدائی مراحل طے کئے۔

جناب رحمٰن آذر اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی لکھتے ہیں۔ انگریزی اخبارات جیسے ''دی ہندو'' (چینئی) ''ڈکن ہیرالڈ'' (بنگلور) پائنیر (دہلی) ''فری پریس جرنل'' (ممبئی) ''ٹائمز آف انڈیا'' (بنگلور) اور اردو اخبارات جیسے ''انقلاب'' (ممبئی) ''راشٹریہ سہارا'' (بنگلور) ''سیاست'' (بنگلور) ''اردو ٹائمز'' (ممبئی) ''سالار'' (بنگلور) اور دیگر اخبارات میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ویسے ان کے مضامین ''بلٹز'' (ممبئی) ''بانو'' (دہلی) ''تہذیب الاخلاق'' (علی گڈھ)، ''ایشیا'' (دہلی) وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔ انگریزی میں ان کی تین کتابیں **نایاب پبلیکیشنز** نے شائع کی ہیں۔

- ''ٹائیگر سلطان'' (ٹیپو سلطان شہید کے تعلق سے ایک باتصویر معلوماتی مونوگراف)۔ اس کتاب کا کنڑی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔
- ''دی گوپورم''
- ''بنگلور یاترا''

''محمود گاواں کی واپسی'' ایک *Tourism - oriented* ڈرامہ ہے جو کہ پڑھنے والے کو بیدر کی سیر کراتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطنتِ بہمنیہ کے قابل وزیر اعظم خواجہ محمود گاواں کی شخصیت اور اعلیٰ کارناموں کی سچی اور صحیح تصویر ابھر کر اس کے سامنے آتی ہے۔

اردو یا دیگر ہندوستانی زبانوں میں واجد علی شاہ، ٹیپو شہید، بہادر شاہ ظفر، اکبر، شاہجہاں، جہانگیر اور قلی قطب شاہ کے ڈرامے تو ملتے ہیں لیکن محمود گاواں پر کوئی تخلیق ڈرامائی انداز میں نہیں ملتی۔ جناب رحمٰن آذر نے اردو میں پہلی بار اس عظیم شخصیت کو ڈرامے کے ذریعہ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

نایاب پبلیکیشنز

Email: nayab.publications@gmail.com **Phone:** 9740319261